"رحلة الصديق إلى البيت العتيق"

ہندوستان کا ایک عربی سفر نامۂ حج

پروفیسر عبدالباری صدر شعبۂ عربی
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (انڈیا)

عہد جدید کے چیلنجز کے تناظر میں سفر نامہ ہائے حج کے موضوع کا انتخاب اور اس کی دینی، ملی اور فکری افادیت کا مطالعہ ایک نیک فال سے کم نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ حج کے دینی رموز اور سفر نامۂ حج کی قدروقیمت کو سمجھنے کے لیے ایک ایسی سرزمین کا انتخاب جسے دانائے راز اور حکیم الامت، علامہ اقبالؒ نے اپنا آخری ٹھکانا بنالیا ہو، بہت ہی معنی خیز ہو جاتا ہے۔ آپ لائق صد مبارک باد ہیں۔

اٹھاریں اور انیسویں صدی عیسوی کا زمانہ عالمی سطح پر ملت بیضا کے لیے اضمحلال و انتشار کا رہا ہے۔ انیسویں صدی کی ابتدا سے ہنوز امت مسلمہ کی دینی اور معاشرتی اصلاح حال کا سلسلہ چلتا رہا ہے، لیکن اس کے باوجود ہم سب اس احساس کی گراں باری سے انکار نہیں کر سکتے کہ نفس سوختہ شام و سحر کی تازہ کاری کا کام ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔

تازہ کاری کے اس عمل کو زیادہ سے زیادہ فعال بنانے اور ایک جہان تازہ کی تعمیری تیاری کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں فریضۂ حج اہم ترین کردار ادا کرتا ہے، کیونکہ فریضۂ حج کے دوران ہر سال سرزمین حجاز میں "کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ" کی دعوت کا تربیتی کیمپ سا لگتا ہے جس میں دنیا کے ہر گوشے سے آواز حق پر "لبيك اللهم لبيك" کی صدا لگاتے دیار محبوب ﷺ کے لاکھوں شیدائی اپنا سب کچھ نہ سہی تو بہت کچھ ضرور تج کر آ پہنچتے ہیں۔ اخوت اسلامی اور نصرت دینی کا عجیب نظارہ ہوتا ہے۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سرزمین حجاز یعنی مکے اور مدینے کے تربیتی کیمپ سے ایک قافلہ حجاز ترتیب دیا تھا اور مؤمنین کے اسی قافلے نے دنیا کو تہذیب حجازی سے روشناس کرایا تھا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مرد مومن اور تہذیب حجازی میں اصلاً دوئی نہیں ہوتی اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مرد مومن بہ الفاظ دیگر "لالۂ صحرائی" کی تخم ریزی کے لیے "صحرائے حجاز" کی زمینی فضا ہی راس آتی ہے۔ یہیں وہ صورت حال آسانی سے پیدا ہوتی ہے جس کے ذریعہ ضمیر لالہ میں چراغ آرزو روشن کرنے کی سبیل ہاتھ آتی ہے' بقول علامہ اقبالؔ:

جز حرم منزل ندارد کارواں
غیر حق در دل ندارد کارواں

ایسے میں یقیناً حج کے مرکزی کیمپ کی اہمیت کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ یہی وہ مبارک کیمپ ہے جہاں مردان گراں خواب کو مردان کار بننے کے مواقع نصیب ہوتے ہیں۔ یہ البتہ اپنا اپنا نصیب ہے کہ کسے کتنا مل پاتا ہے اور ظاہر ہے اس مرکزی کیمپ کے شب و روز کا کچھ اندازہ اور حرمین شریفین میں حجاج کی عبادات و مشغولیات کا آنکھوں دیکھا حال کسی مشاہدہ کرنے والے حاجی کے ذاتی تاثرات کی شکل میں اگر اس کے سفر نامۂ حج سے حاصل ہوسکتے ہوں تو یقیناً نتیجہ خیز ثابت ہوسکتے ہیں' کیونکہ سفر نامۂ حج سے بھی روح کی تازگی اور بالیدگی کے سروسامان مہیا ہوتے ہیں۔ اس پس منظر میں سفرناموں کا جائزہ لیا جائے تو یقیناً سفر نامۂ حج کی ایک خاص اہمیت ہوجاتی ہے۔ حج کے سفرنامے روداد سفر بھی ہوتے ہیں اور سوز و ساز دل کے ترجمان بھی' آج بھی اور آنے والی صدی میں ہم سفرناموں سے حاصل شدہ بصیرتوں کی روشنی میں حج کے مرکزی کیمپ کی فعالیت **(Workability)** کو بہت حد تک بڑھا سکتے ہیں۔

عام سفرناموں کے مقابلے میں سفر نامۂ حج ملت اسلامیہ کے لیے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہوجاتا ہے۔ یہ ایک اہم دینی فریضے کی ادائیگی کا ریکارڈ بھی ہے اور ملی مسائل کو عالمی سطح پر سمجھنے اور ان کا حل پیش کرنے میں فکری غذا بھی فراہم کرتا ہے۔ حج کے ایام میں

مسلمانانِ عالم کو صرف ایک دوسرے کو دیکھنے' ان سے روشناس ہونے' ان کے علاقوں کے الگ الگ سماجی اور سیاسی احوال جاننے کا ہی موقع نہیں ملتا' بلکہ علمی و ادبی معاملات میں تبادلۂ خیال اور کسب فیض کے مواقع بھی ہاتھ آتے ہیں.

کہتے ہیں اسپین کا کوئی بھی ایسا مسلم عالم نہیں بچا جس نے مشرق کا سفر نہ کیا ہو اور یقیناً اس میں اولیت سفر حج کو رہی ہو گی۔ صاحب ''نفح الطیب'' نے بہت سارے حج کے سفر ناموں کا ذکر کیا ہے' ان میں ابن جبیر (۵۹۹ھ) کا سفر نامۂ اپنی فنی و فکری خوبیوں کے لحاظ سے ایک شان امتیاز رکھتا ہے۔ ابن جبیر نے اپنے سفر نامۂ حج کے ایک حصے میں ذاتی ایک شعر بھی لکھا ہے جو بڑی حد تک سفر نامۂ حج کے ذوق و شوق اور اصل روح کی عکاسی کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

بدت لی أعلام بیت الهُدی بمکة والنور باب علیه
فأحرمْت شوقًاله بالهوی واهدیت قلبی هَدیا الیه.

(مکے میں منزل ہدایت کی نشانیاں میری نگاہوں کے سامنے جھلک رہی ہیں' ہر آن نور ہی نور اس پہ نمایاں ہے۔ میرے شوق نے عشق کا احرام یہیں سے باندھ لیا اور قربانی کا ہدی اپنے دل کو بنایا).

ظاہر ہے ایسے مخصوص سفر ناموں میں جن کا تعلق سفر حج سے ہو خود مصنف کی شخصیت بہت اہم ہو جاتی ہے۔ اگر وہ قلبی گداز کے ساتھ ساتھ تفقہ فی الدین کی صلاحیت بھی رکھتا ہو تو سفر نامۂ حج دو آتشہ بن جاتا ہے.

مولانا صدیق حسن خان قنوجی ثم بھوپالی کی تصنیف ''رحلةُ الصدیق الی البیت العتیق'' کو کچھ اسی طرح کے سفر ناموں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

مولانا موصوف جیّد عالم تھے۔ عربی زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت کے ساتھ ساتھ تفقُّہ فی الدین کی صلاحیت بھی بدرجۂ اتم رکھتے تھے۔ ان کی تصنیفی صلاحیتوں کا یہ عالم تھا کہ وہ تقریباً ۲۰۰ کتابوں کے مصنف تھے جن میں ۵۴ عربی کی ۴۲ فارسی اور ۱۰۷ اردو کی کتابیں تھیں.

ہندوستانی علماء میں عربی تذکرہ نگاری کا فن بھی خاصہ فروغ پایا۔ اس فن میں بھی مولانا قنوجی کی "التاج المکلل" اور "ابجد العلوم" جو بیشتر ہندوستانی علما کے تذکروں پر مشتمل ہیں، خاصے کی چیز مانی جاتی ہیں۔

ہندوستان خود اسلامی تہذیب و ثقافت کا اہم مرکز مانا جاتا رہا ہے۔ علوم شرعیہ اور ملی مسائل سے متعلق یہاں کے علما کی تصانیف اپنا ایک مقام رکھتی ہیں۔ عربی زبان و ادب کے واسطے سے بھی یہاں کی علمی و دینی کاوشیں اپنی قدر و قیمت کا لوہا ہر زمانے میں منواتی رہی ہیں۔ ہندوستان میں سفر نامۂ حج قدیم زمانے سے ہی لکھے جاتے رہے ہیں۔ اردو اور فارسی میں حج کے سفر ناموں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس لحاظ سے عربی میں اس طرح کے سفر نامے یقیناً ایک خاص اہمیت کے حامل ہو جاتے ہیں۔

یوں تو ہندوستان میں سفر نامۂ حج کی تصانیف کا سلسلہ شیخ محدث دہلویؒ سے ہی ملتا ہے لیکن عربی سفر ناموں میں سوائے مولانا صدیق حسن کی رحلۃ الصدیق کے کوئی دوسرا وقیع نام نہیں ملتا اور اس حیثیت سے رحلۃ الصدیق ایک خاص اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے۔

اس کتاب کی دوسری طباعت ۱۲۹۸ھ میں بمبئی میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ صفحات کی کل تعداد ۱۷۳ ہے۔ کتاب پانچ ابواب اور ایک مقدمہ پر مشتمل ہے :

پہلا باب فضیلت مکہ سے متعلق ہے، جس میں ۱۲ فصلیں ہیں۔

دوسرا باب فضائل حج سے متعلق ہے جس میں ۷ فصلیں ہیں۔

تیسرا باب مبادی حج و عمرہ سے متعلق ہے جس میں ۱۳ فصلیں ہیں۔

چوتھا باب مقاصد حج سے متعلق ہے جس میں ۲۲ فصلیں ہیں۔

پانچواں باب زیارت رسول سے متعلق ہے جس میں ۳ فصلیں ہیں۔

اور اسی فصل میں تقریباً دس صفحات پر مشتمل ذاتی مشاہدات اور تاثرات سے متعلق مصنف کی قیمتی آراء ہیں۔

جیسا کہ سطور بالا میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ سفر حج کا معاملہ ذوق و شوق اور حب خداوندی کا معاملہ ہے۔ سفر حج شوق اور محبت کی اس منزل کی طرف رہنمائی

کرتا ہے جو "اِلٰی سبیل اللہ" کے صحیح راستے پر مؤمن کو پہنچانے کی صورت پیدا کر دیتی ہے۔

ہندوستان کے بزرگانِ دین کی فہرست میں ایک اہم ترین نام حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ کا ہے۔ ان کی "مکتوبات صدیؒ" کی شہرت و مقبولیت سے ہم سب واقف ہیں آپ کے مکتوب میں درج ہے کہ لفظ محبت اور محنت میں صرف ایک نقطے کی ترتیب کا فرق ہے اور اگر یہ نقطہ ایک دوسرے کے قریب ہو جاتا ہے تو محبت محنت ہو جاتی ہے اور محنت محبت کا روپ و رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ قرآن پاک میں مؤمن کا شعار دینی اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ بتایا گیا ہے' بالفاظ دیگر ماسوا اللہ کے مقابلے میں اللہ سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والا ہی مؤمن ہوتا ہے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ محبت کی راہ محنت و مشقت کی راہ ہے' بقول شاعر:

اسے خوشبوؤں کا مکاں مت سمجھ
محبت تو کانٹوں کا گھر ہے میاں

حج کی ادائیگی میں سفرِ حج کا معاملہ دراصل محبت و محنت کی یکجائی کا عملی پہلو ہے۔ محبت کی راہ اخلاص' ایثار اور قربانی کی راہ ہے۔ سفرِ حج کا اختیار کرنا محبت و محنت کی اس منزل سے گذر جانا ہے جو صرف "فی سبیل اللہ" ہوتی ہے۔

جہاں تک علامہ صدیق حسن کے "سفرنامے" کا تعلق ہے تو اس میں مناسک حج اور مسائل حج سے متعلق معلومات خاصی وقیع اور عالمانہ ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سارے تجربات و مشاہدات کا ذکر ہے دوران سفر علمائے دین اور صلحائے امت سے دینی و معاشرتی مسائل پر تبادلۂ خیال کا ذکر بھی بصیرت افروز ہے۔ مصنّف نے یہ بھی جگہ جگہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ گھر سے دور اور حالت سفر میں بھی زندگی کے قیمتی اور لمحات کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ ان کا مطالعہ کتب اور قیمتی کتابوں کی ہاتھ سے نقل کا سلسلہ برابر جاری رہا اور کئی قابل قدر تصانیف بھی پایۂ تکمیل کو پہنچیں' لیکن ان سب باتوں سے اہم بات ہمیں رُوداد سفر میں یہ معلوم ہوئی کہ مصنف نے یہ نکتہ واشگاف کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ کی محبت میں اور اللہ کے راستے پر چلنے والوں کو محنت و مشقت کی عملی راہوں سے گذرنا ہوگا۔ دنیوی صعوبتوں کو دین کی خاطر برداشت کرنا ہوگا اور جان کی بازی بھی لگانی پڑے تو اس

حال میں بھی "لبیک اللّٰھم لبیک" کی نہ صرف صدا بلند کرنی ہوگی بلکہ میدان عمل میں اتر کر دکھانا ہوگا اور سب کچھ سہنے کے بعد بھی اللہ کے تئیں کلمۂ شکر ہی ادا کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں خود مصنف کے سفر حج کی آپ بیتی بھی بڑی دلچسپ ہے۔ یہ سفر حج ایک بادبانی جہاز سے شروع ہوا تھا۔ اس طرح کے سمندری سفر کی صعوبتوں کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

یہ سفر حج شعبان ۱۲۸۳ھ میں شروع ہوا اور ۸ مہینوں میں اختتام تک پہنچا۔ سفر کے آغاز میں اور حج سے وطن واپسی پر دو مرتبہ جہاز ڈوبتے ڈوبتے بچا۔ زندگی اور موت کی کشمکش کا منظر نگاہوں کے سامنے تھا۔ مصنف نے ان اضطراب کی گھڑیوں کا تذکرہ خاصے دلچسپ انداز سے کیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ان لمحات میں بھی مصنف کے درونِ دل میں شکر الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

جدید چیلنجز کے تناظر میں بھی شاید یہی بات سب سے اہم نظر آتی ہے کہ ہم مسلمانان عالم کو محبت و محنت کے جذبے کو حصول "سبیل اللہ" کی خاطر یکساں اور یکجا طور پر لے کے چلنا ہوگا۔

کارزارِ حیات کی گرم بازاری میں اور معاملات زندگی کے ہر موڑ پر اگر ہم اس نکتے کو حرز جان بنائے رکھیں تو عہد جدید کے تقریباً سبھی چیلنجز کا مقابلہ ہمارے لیے آسان ہوگا۔ مولانا صدیق حسن قنوجی کی رحلۃُ الصدیق الی البیت العتیق سے بھی ہمیں اس اہم نکتے کا اشارہ ملتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆